حضرت سیّد احمد شہیدؒ

ولادت تا شہادت

۱۲۰۱ھ / ۱۷۸۶ء — ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء

ترتیب و تلخیص مولوی سید محمد ثانی صاحب حسنی مدیر ماہنامہ رضوان لکھنؤ

تیرہویں صدی میں ہندوستان کی حالت

تیرہویں صدی ہجری (اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے اوائل) میں ہندوستان سیاسی، مذہبی، اور اخلاقی حیثیت سے زوال کی آخری حد تک پہونچ چکا تھا، سلطنت مغلیہ کا شیرازہ بکھر چکا تھا، سارے ہندوستان پر یا تو ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط تھا، یا اس کے حلیفوں کا، بچا کھچا ملک رئیسوں اور سرداروں کے قبضے میں تھا، جو یکے بعد دیگرے شکست کھاتے، اور اپنے اپنے علاقے انگریزوں کے حوالہ کرتے چلے جا رہے تھے، سلطنت مغلیہ کے فرماں روا شاہ عالم (جن کے عہد میں حضرت سید احمد شہیدؒ پیدا ہوئے) صرف نام کے بادشاہ رہ گئے تھے، دکن سے لے کر دہلی تک سارا علاقہ مرہٹوں کے رحم و کرم پر تھا، پنجاب سے لے کر افغانستان کے حدود تک سکھوں کا راج تھا، جن کی دستبرد سے

ہندوستان کا شمالی اور وسطی حصہ بھی محفوظ نہ تھا، دہلی اور اطراف دہلی مرہٹوں اور سکھوں کی غارت گری کا نشانہ بنے رہتے تھے، مسلمانوں کی سیاسی ساکھ گر چکی تھی، ان کا کوئی قائد اور شیرازہ بند نہ تھا، ان کو کمزور پاکر بیسیوں فتنے سر اٹھاتے، اور ان کو پامال کر کے رکھ دیتے۔

ملک میں مسلمانوں کی اخلاقی حالت اتنی گر چکی تھی کہ فسق و معصیت کی بہت سی باتیں آداب و تہذیب میں داخل ہو گئی تھیں، اور اس پر علانیہ فخر کیا جاتا تھا، شراب نوشی کوئی نادر بات نہ تھی، ارباب نشاط کا ہر طرف دور دورہ تھا، امراء اور متوسط طبقہ سے لے کر غرباء تک اسی معاشرت کا شکار تھے، اخلاقی انحطاط اور قومی بے حسی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ تیرہویں صدی کے آغاز میں کہ انگریزوں کے قدم پوری طرح جمے نہ تھے، متعدد مسلمان عورتیں یورپین تاجروں اور حکام کے گھروں میں تھیں، شرک و بدعت مسلمانوں میں کثرت سے موجود تھی، قبروں اور مردوں کے متعلق ایک مستقل شریعت وجود میں آگئی تھی، بزرگان دین کے متعلق وہ سارے عقائد و خیالات دلوں میں گھر کر چکے تھے، جن کے لئے نصرانی اور یہودی اور مشرکین عرب بدنام ہیں، ہندوؤں اور شیعوں کے بکثرت رسوم اہل سنت کی معاشرت کا جزء بن گئے تھے، سنت و شریعت کو لوگ بھولتے جا رہے تھے، اسلامی شعائر اٹھتے جا رہے تھے، اچھے اچھے دیندار، اور علمی گھرانوں میں بھی قرآن و حدیث کے احکام کا لحاظ نہیں کیا جاتا تھا، بیوہ کا نکاح، میراث میں لڑکیوں کو حصہ دینا، اور سلام مسنون کو بہت جگہ معیوب سمجھا جاتا تھا، اسی طرح حج جیسے اسلام کے اہم رکن کی، راستہ کی تکلیف اور بدامنی کی بناء پر فرضیت ساقط کر دی گئی تھی، قرآن شریف ایک چیستاں سمجھا جانے لگا تھا جس کا سمجھنا، اور سمجھانا، اس پر غور و تدبر کرنا غیر علماء کے لئے ناممکن، اور شجر ممنوع قرار دیدیا گیا تھا۔

لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوگا کہ علمی، سیاسی، دینی اور روحانی حیثیت سے تیرہویں صدی کا یہ زمانہ بالکل تاریک اور ویران تھا اور اس ملک میں کہیں زندگی کے آثار اور کہیں روشنی کے مینار نہیں پائے جاتے تھے، تیرہویں صدی کا ابتدائی زمانہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا قابل ذکر حصہ ہے، اس میں بعض ایسی باکمال اور ممتاز ہستیاں موجود تھیں، جن کی نظیر گذشتہ صدیوں میں بھی آسانی سے اور بکثرت نہیں ملے گی، دینی و علمی کمالات و سنت کے وسیع علم اور صحیح ذوق، ذکاوت و استعداد، وملکۂ علمی، درس و تدریس، تصنیف و تالیف، تبحر علمی، شعر و شاعری، تصوف و سلوک اور دوسرے علوم و فنون میں کمال رکھنے والی منفرد شخصیتیں اس صدی میں موجود تھیں، ان کے علاوہ اس دور قحط الرجال میں بھی دین کی اتنی طلب اور قدر باقی تھی کہ ملک میں مکاتب، مدارس کا جال پھیلا ہوا تھا، جگہ جگہ پر خانقاہیں اور روحانی مرکز تھے، علماء ملک کے مختلف شہروں میں علم و دین کی اشاعت کا کام کر رہے تھے، اور تصنیف و تالیف میں مشغول تھے، مدرسے طلباء علوم دینیہ سے، اور خانقاہیں مردانِ خدا سے معمور تھیں، اکابر اہل درس اور اہل طریق میں سے ہر ایک ایک مستقل اور آباد مدرسہ اور خانقاہ تھا، اور کہیں کہیں یہ دونوں مرکز جمع تھے۔

یہ ضرور ہے کہ دین و علم کے یہ بڑے بڑے ذخیرے جو سلف کی کوششوں سے جمع ہوئے تھے مسلسل خرچ اور عرصہ سے آمد بند ہونے کی وجہ سے گھٹتے گھٹتے ختم ہوتے جا رہے تھے، اور اضافہ و ترقی کا دروازہ بند معلوم ہوتا تھا، بہترین صلاحیتیں اور جوہر موجود تھے، مگر ضائع ہو رہے تھے، زندگی کا صحیح مقصد اور قوتوں کا صحیح مصرف نہ ہونے کی وجہ سے شجاعت اور دلیری، حوصلہ مندی، غیرت و حمیت اور دوسری اعلیٰ صفات حقیر مقاصد میں صرف ہو رہی تھیں اور جذبات نے غلط رخ اختیار کر لیا تھا، افراد تھے، مگر جماعت نہ تھی،

اوراق تھے مگر کتاب نہ تھی، زندگی کی چول اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی تھی، اس لئے عام اور مفید حرکت نہ تھی۔

ایسے وقت میں ایسے شخص اور جماعت کی ضرورت تھی، جو دین، علم اور صلاحیت کے اس سرمایہ سے وقت پر کام لے، اور اس کو ٹھکانہ لگائے، جو خانقاہوں کا حال، اور درسگاہوں کا قال، وہاں کی حرارت، اور یہاں کی روشنی سارے ملک میں عام کر دے جس کے جلو میں چلتی پھرتی خانقاہیں ہوں، اور دوڑتے بھاگتے مدرسے، گھوڑوں کی پیٹھ پر عالم ہوں، اور محرابوں میں مجاہد جو دلوں کی بجھتی ہوئی انگیٹھیاں دوبارہ دہکا دے، افسردہ دلوں کو ایک بار پھر گرما دے، اور ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک طلب، اور دین کی تڑپ کی آگ لگا دے، جو مسلمانوں کی خداداد صلاحیتوں کو ٹھکانہ لگائے، جس کی نگاہ دوررس، اور جس کی ذات مسیحا نفس، کسی بیکار چیز کو بھی بیکار نہ سمجھے، جو امت کے ذخیرے کے ہر دانہ، اور خیابان کے ہر تنکہ سے پورا پورا کام لے، جو شخص ان اوصاف کا جامع ہو، اس کو اسلام کی اصطلاح میں "امام" کہتے ہیں، اور یہ مقام تیرھویں صدی کے تمام اہل کمال، اور مشاہیر رجال کی موجودگی میں سید صاحب کو حاصل تھا جن کے چیدہ چیدہ حالات و حکایات، اور ان کی عزیمت و جہاد، فیض و تاثیر، اور انقلاب انگیزی کے جستہ جستہ واقعات اس کتاب میں پیش کئے گئے ہیں۔

خاندان

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد ذوالنفس الزکیہ شہیدؒ کی بارھویں پشت میں سید رشید الدین کے فرزند رشید شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد المدنی ایک عالم و عارف اور عالی ہمت بزرگ تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے علم و تقویٰ کی دولت کے ساتھ ساتھ

شجاعت کا جوہر، اور جہاد کا جذبہ عطا فرمایا تھا، آپ غزنی کے راستہ سے مجاہدین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ ہندوستان آئے، مختلف مقامات میں ٹھہرتے ہوئے کڑہ (الٰہ آباد) کو فتح کرنے کے بعد اسکو اپنا مستقر بنایا، وہیں انتقال کیا، اور وہیں مدفون ہوئے، سید قطب الدین کی اولاد کو اللہ نے سیادت و امارت کے ساتھ علم و فضل، اور زہد و تقویٰ کی دولت سے بھی مالا مال کیا، سید قطب الدین کے اخلاف میں ایک بزرگ حضرت شاہ علم اللہؒ گذرے ہیں، جو عہد عالمگیری کے مشہور عالم ربانی، اور صاحب سلسلہ شیخ تھے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مشہور خلیفہ حضرت سید آدم بنوری کے مجاز تھے، نہایت متقی، اور متبع سنت بزرگ تھے، انھوں نے سنہ ۱۰۹۶ھ ۱۶۸۴ء میں انتقال کیا، اور اپنے قائم کئے ہوئے دائرہ واقع رائے بریلی میں مدفون ہوئے۔

ولادت

سید صاحب ان کی پانچویں پشت میں ہیں، دائرہ شاہ علم اللہؒ میں صفر سنہ ۱۲۰۱ھ نومبر سنہ ۱۷۸۶ء میں پیدا ہوئے، والد کا نام سید محمد عرفانؒ، اور دادا کا نام سید محمد نورؒ تھا، چار سال کے ہوئے تو مکتب میں بٹھائے گئے مگر باوجود کوشش کے آپ کی طبیعت علم کی طرف راغب نہیں ہوئی، اور کتابی علم میں کچھ ترقی نہ کی، آپ کو بچپن ہی سے مردانہ اور سپاہیانہ کھیلوں کا شوق تھا، سن بلوغ کو پہونچے تو خدمت خلق کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ اچھے اچھے بزرگ انگشت بدنداں رہ گئے، ضعیفوں اور اپاہجوں، اور بیواؤں کی خدمت کرنے کا جذبہ اس کے ساتھ عبادت، ذکر الٰہی کا ذوق بہت بڑھا ہوا تھا، ورزش اور مردانہ کھیلوں کا بہت شوق تھا، پانچ پانچ سو ڈنڈ لگاتے تھے، اور تیس تیس سیر کے مگدر ہلاتے، پیرنا اور

پانی میں دیر تک ٹھہرنے کی بھی مشق بڑھائی تھی۔

تلاش معاش میں لکھنؤ کا سفر

جب آپ کی عمر بارہ ۱۲ سال کی ہوئی تو والد ماجد مولانا محمد عرفان کا انتقال ہو گیا، حالات کا تقاضہ تھا کہ آپ ذمہ دارانہ زندگی میں قدم رکھیں، اور تحصیل معاش کی فکر کریں، تقریباً سولہ سترہ ۱۷ سال کی عمر میں آپ اپنے سات ۷ عزیزوں کے ساتھ فکر معاش میں لکھنؤ چلے، لکھنؤ رائے بریلی سے انچاس ۴۹ میل ہے، سواری صرف ایک تھی جس پر سب باری باری بیٹھتے مگر سید صاحب اپنی باری کے وقت دوسرے عزیز کو باصرار سوار کرا دیتے تھے، اسی طرح راستہ بھر ساتھیوں کی خدمت کرتے، اور اصرار سے ان کا سامان خود لے کر چلتے، اسی خدمت اور محنت کے ساتھ لکھنؤ پہونچے، اس وقت نواب سعادت علی خاں خلف نواب شجاع الدولہ کا عہد حکومت تھا، نواب ایک بلند حوصلہ منتظم فرمانروا تھے، اس کے باوجود صاحب جاگیر اشخاص، اور بڑے تاجروں کے سوا بے روزگاری اور پریشانی عام تھی، لکھنؤ پہونچ کر سب ساتھی روزگار کی تلاش میں مشغول ہو گئے، روزگار عنقا تھا، باوجود محنت، اور دن کی مشغولیت کے بھی قوت لا یموت بھی مشکل سے میسر آتی، صرف سید صاحب ایک امیر کے یہاں مقیم تھے، جو ان کے خاندان سے محبت و عقیدت رکھتے تھے، امیر کے یہاں سے جو کھانا آتا آپ اپنے ساتھیوں کو کھلا دیتے، اور خود دال دلیہ پر گذر کرتے۔

شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں

چار ماہ اسی حال میں گذرے، ایک بار والی لکھنؤ سیر شکار کے لئے پہاڑوں کی طرف

روانہ ہوا، اس کے ساتھ وہ امیر بھی گئے، جن کے یہاں سید صاحب مہمان تھے سید صاحب بھی اپنے عزیزوں کے ہمراہ امیر کے ساتھ ہو گئے، اور اسی طرح خدمت کرتے ہوئے یہ سفر کیا، اس سفر میں سخت مصیبتیں اٹھانی پڑیں، راستہ بھر سید صاحب اپنے ہمراہیوں کو دہلی چلنے، اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے استفادہ کرنے کی ترغیب دلاتے رہے، اور پھر خود تن تنہا دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔

پورے سفر میں پیادہ پا، ..... مسافروں کی خدمت کرتے ہوئے بھوکے پیاسے چلتے رہے، چلتے چلتے پاؤں میں چھالے پڑ گئے، کئی روز کے بعد دہلی پہنچے، اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کے سید صاحب کے بزرگوں سے قدیم سے روحانی و علمی تعلقات تھے، مصافحہ اور معانقہ، اور تعارف کے بعد بڑی خوشی کا اظہار کیا، اور اپنے بھائی شاہ عبدالقادر صاحب کے پاس ٹھہرایا۔

تکمیل باطنی، اور اجازت و خلافت

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، اور شاہ عبدالقادرؒ کی صحبت و خدمت میں رہ کر آپ نے اس قدر باطنی ترقی کی، اور وہ بلند مقامات حاصل کئے جو بڑے بڑے مشائخ کو بڑی بڑی ریاضتوں، اور مجاہدوں سے حاصل ہوئے ہیں، کچھ عرصہ کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے اجازت و خلافت لے کر وطن رائے بریلی واپس ہوئے، دو سال وطن میں قیام کیا، اور شادی کی۔

امیر خاں کے لشکر میں

اللہ تعالیٰ نے سید صاحب کو جس عظیم مقصد کے لئے تیار کیا تھا، اور جہاد کا

جو جذبہ آپ کو ملا تھا، اور آپ نے جن مقاصد کو پیش نظر رکھا تھا، ان کی تکمیل، مزید پختگی اور عملی مشق و تربیت کی متقاضی تھی، اس کے لئے کسی محاذ جنگ کی ضرورت تھی۔

۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء میں آپ نے دہلی کا دوسرا سفر کیا، دہلی میں چند روز قیام کرنے کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب کے مشورہ سے نواب امیر خاں (جو راجپوتانہ اور مالوہ میں لشکر کشی، اور ترک تازی میں مشغول تھے) کے لشکر میں شامل ہو گئے، اور جنگی تربیت حاصل کرنے، اور ان کو بامقصد جد و جہد، اور انگریزی اقتدار کے بڑھتے ہوئے خطرہ کا مقابلہ کرنے کی راہ پر لگانے کیلئے انکی معیت و رفاقت اختیار کی، نواب امیر خاں سنبھل (روہیلکھنڈ) کے ایک حوصلہ مند افغانی النسل سردار تھے، جنھوں نے اپنے گرد حوصلہ مند، مہم جو، اور وفادار ساتھیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد جمع کر لی تھی، اور ایسی اہمیت اختیار کر لی تھی کہ والیان ریاست کو بھی ان کی مدد کی ضرورت پڑتی رہتی تھی، اور انگریز بھی اس ابھرتی ہوئی طاقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

سید صاحب امیر خاں کے لشکر میں چھ سال رہے، آپ اپنی عبادات و ریاضات اور سپاہیانہ زندگی کے ساتھ اصلاح و ارشاد میں مشغول رہے، آپ کی توجہ، محنت اور کوشش سے پورا لشکر دعوت و تبلیغ کا وسیع میدان بن گیا، اور سپاہیوں کی بڑی اصلاح ہوئی، خود امیر خاں کی زندگی میں بڑا انقلاب آیا۔

دہلی واپسی، اور تبلیغی دورے

چھ سال کے قیام کے بعد جب امیر خاں نے بعض حالات سے مجبور ہو کر اور اپنے بعض قریبی ساتھیوں کی بے وفائی کی وجہ سے انگریزوں سے صلح کرنی چاہی، تو آپ نے

اس کی شدید مخالفت کی اور جب آپ کی مخالفت کے باوجود امیر خاں نے انگریزوں سے معاملہ کرلیا، اور ٹونک کی ریاست قبول کرلی، تو آپ ان سے مایوس ہو کر دہلی تشریف لے آئے۔

اس مرتبہ آپ کی طرف غیر معمولی رجوع ہوا، اس قیام کے دوران خاندان ولی اللّٰہی کے دو ممتاز افراد، اور جید عالم مولانا عبدالحی، اور مولانا محمد اسماعیل آپ سے بیعت ہوئے، ان دونوں کے بیعت ہونے سے دہلی کے عوام و خواص، علماء و مشائخ کا ایسا رجوع ہوا کہ شاید و باید، روز بروز آپ کی مقبولیت اور شہرت بڑھتی چلی گئی، آپ نے تبلیغی و اصلاحی دورے شروع کیے، سب سے پہلے مظفر نگر اور سہارنپور کے مردم خیز اور تاریخی قصبات، اور مسلمان شرفاء و علماء کے مرکزوں، نیز گڑھ مکتیشر، دوآبہ کے علاقے میں رام پور، بریلی، شاہجہانپور، اور دوسرے مقامات کا دورہ کیا، ان مقامات میں سیکڑوں خاندانوں، اور آدمیوں نے بیعت کی، شرک و بدعت سے تائب ہوئے، علماء مشائخ حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے، سہارنپور میں حاجی عبدالرحیم صاحب جو اپنے وقت کے بڑے مشائخ میں تھے، اور ہزاروں آدمی ان کے مرید تھے حضرت سید صاحب سے بیعت ہوئے، اور اپنے مریدوں کو بیعت کرایا، آپ کا یہ سفر باران رحمت کی طرح تھا، کہ جہاں سے گذرتا ہے، سرسبزی و شادابی، بہار و برکت چھوڑ جاتا ہے، دیکھنے والوں کا متفقہ بیان ہے کہ جہاں آپ نے تھوڑا سا بھی قیام کیا، وہاں مساجد میں رونق آگئی، اللہ اور رسول کا چرچا ایمان میں تازگی، اتباع سنت کا شوق، اسلام کا جوش، اور شرک و بدعت سے نفرت پیدا ہوگئی، اور رفض و تشیع کا خاتمہ ہوگیا، اس پورے سفر میں مولانا محمد اسماعیل اور مولانا عبدالحی ہم رکاب رہے، ان کے مواعظ سے بڑا انقلاب، اور بڑی اصلاح ہوئی۔

وطن میں

اس دورے کے بعد آپ اپنے وطن رائے بریلی تشریف لائے، یہ دن قحط اور خشک سالی کے تھے، ہر طرف پریشانی، فاقہ، غربت اور افلاس کا دور دورہ تھا، اس حال میں بھی آپ پر ستر آدمیوں کے خورد نوش کی ذمہ داری تھی، لیکن در و دیوار پر سکینت الٰہی اور توکل کی فضا چھائی ہوئی تھی، آپ کی صحبت میں اس وقت ہندوستان کے بڑے بڑے علماء اور صوفیاء اور اہل سجادہ حاضر تھے، اور ہر ایک باوجود اپنے علم و فضل کے آپ سے استفادہ کرتا، اسی طرح آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خدمت خلق کے کاموں میں شریک رہتے، یہ چھوٹا سا گاؤں ایک ہی وقت میں ایک آباد اور معمور خانقاہ، ایک دینی مدرسہ اور میدانِ جہاد بنا ہوا تھا، یہ زمانہ بڑے ذوق و شوق، کیف و مستی، لذت و حلاوت، اور جفاکشی کا تھا، وطن کے اس قیام کے دوران آپ نے الٰہ آباد، بنارس، کانپور، اور سلطان پور کا سفر بھی کیا، تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر جوق در جوق لوگ ملتے، اور بیعت ہوتے۔

لکھنؤ کا تبلیغی و اصلاحی سفر

لکھنؤ کی چھاؤنی میں پٹھانوں کی ایک اچھی خاصی آبادی تھی، جو سید صاحب کے بزرگوں، اور خود سید صاحب کی معتقد تھی، جن میں خاص طور پر نواب فقیر محمد خاں قابل ذکر ہیں، ان حضرات کی خواہش پر آپ نے نفع و اصلاح کی توقع پر ایک سو ستر آدمیوں کے قافلے کے ساتھ لکھنؤ کا سفر کیا، آپ کے اس سفر میں مولانا محمد اسماعیل، اور مولانا عبد الحی بھی ساتھ تھے، یہ زمانہ نواب غازی الدین حیدر کی بادشاہی، اور نواب معتمد الدولہ آغا میر کی وزارت کا تھا،

اس زمانہ میں لکھنؤ میں دولت ستانی، بدنظمی، حق تلفی، اور تعیش کا دور دورہ تھا، عیش و عشرت، لہو و لعب، ہنسی مذاق کی تمام گلزار بہار پر تھی، اس کے ساتھ اہل شہر میں اثر پذیری کی صلاحیت بھی تھی، اور دین کی عظمت و وقعت بھی تھی، لکھنؤ علماء و مشائخ کا مرکز بھی تھا، قصبات اور شریف خاندانوں کا جوہر بھی لکھنؤ منتقل ہوگیا تھا، انسانوں کے اس ذخیرہ میں صدہا کام کے موتی تھے، جو گویا ایک نظر کیمیا اثر کے منتظر تھے۔

سید صاحب اور آپ کے رفقاء گومتی کے کنارے شاہ پیر محمد کے ٹیلہ پر ٹھہرے، آپ کے پہونچتے ہی لوگوں کا رجوع اور ہجوم ہوا، صبح سے رات گئے تک لوگ جمع رہتے، مولانا محمد اسماعیل اور مولانا عبدالحی کے مسلسل اور مؤثر وعظوں سے لکھنؤ کے مقامی لوگوں میں بڑا انقلاب پیدا ہوا، ہزاروں انسانوں کی حالت بدل گئی، لوگ اٹھ اٹھ کر توبہ کرتے، اور نئی ایمانی زندگی میں قدم رکھتے، سید احمد شہید اور ان کی بابرکت جماعت کے چند روزہ قیام سے اہل لکھنؤ کو بہت روحانی فیوض و برکات حاصل ہوئے، بڑے بڑے علماء و مشائخ حاضر ہوتے، اور بیعت سے مشرف ہوتے، ہر جمعہ کو مولانا عبدالحی اور مولانا محمد اسماعیل کا وعظ ہوتا، مختلف برادریوں نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی، اور شرک و بدعت سے توبہ کی، بے شمار دعوتیں ہوئیں، اور دعوتوں میں کرامتوں کا ظہور ہوا، جن کو دیکھ کر اہل سنت کے علاوہ شیعہ اور غیر مسلم، اہل حکومت بھی متاثر ہوئے، شرک و بدعت کا بازار سرد ہوا، جرائم پیشہ اور فسق و فجور میں مبتلا رہنے والے تائب ہوئے، سید صاحب کی طرف اس رجوع عام سے، اور شیعیت سے عمومی طور پر توبہ کرنے والوں کی کثرت کی وجہ سے حکومت اور اہل حکومت کو پریشانی لاحق ہوگئی، اور انھوں نے اس کے اشارے بھی دیئے مگر آپ نے اور آپ کے ساتھ علماء نے کلمۂ حق کے کہنے، اور صحیح دین کی طرف متوجہ کرنے میں

کسی بات کی پرواہ نہ کی، اور مستقل مزاجی سے اپنا کام کرتے رہے۔

ایک مہینے کے بعد وطن واپس ہوئے، وطن کے قیام میں پنجاب کے مسلمانوں کی مظلومی سے جہاد کی ضرورت کے احساس میں (جو شروع سے تھا) بہت شدت پیدا ہوگئی اور اس نے بے چین بنادیا جس کو مضبوط، توانا، اور اچھے ڈیل ڈول کا دیکھتے، فرماتے کہ "یہ ہمارے کام کا ہے" آپ اکثر اسلحہ لگاتے، تاکہ دوسروں کو اس کی اہمیت معلوم ہو، جنگی مشقیں ہوتیں، نشانہ بازی، اور فنون سپہ گری کی پوری مشق کی جاتی۔

حج

اس زمانہ میں اسلام کے دوسرے شعائر کے کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ حج جیسا اہم رکن علماء کے فقہی عذر کی بنا پر یکسر متروک، یا غفلت کا شکار ہوگیا تھا، بعض علماء نے ہندوستان کے مسلمانوں کے ذمہ سے اس کے ساقط ہونے کا فتویٰ دیدیا تھا، سید صاحب نے اس فتنہ کا سد باب کیا، اور اس کی فرضیت کی زور شور سے تبلیغ کی آپ نے اس کو زندہ کرنے کے لئے عملی قدم اٹھانا ضروری سمجھا، اور علماء و مشاہیر کے ایک جم غفیر کے ساتھ حج کا سفر کیا، مختلف مقامات پر حج کی تبلیغ کے سلسلہ میں خطوط لکھوائے، آپ کے اعلان حج، اور مکاتیب سے مختلف مقامات سے حج کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا، لوگ پروانوں کی طرح امنڈ آئے، آپ یکم شوال ۱۲۳۶ھ ۲ رجولائی ۱۸۲۱ء میں عید کی نماز کے بعد چار سو آدمیوں کے ساتھ اپنے وطن سے حج کے لئے روانہ ہوئے۔

آپ رائے بریلی سے دلمئو تشریف لے گئے، اور وہاں سے کشتیوں کے ذریعہ کلکتہ کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں جابجا آپ کے، اور مولانا محمد اسماعیل، اور مولانا عبدالحی، نیز حافظ

کے علماء کے وعظ ہوتے، شرک وبدعت کی تردید اور عقائد واعمال کی اصلاح ہوئی الٰہ آباد میں ہزاروں ہزار مرد اور عورتوں نے بیعت کی، بعض لوگوں کا اندازہ تھا کہ شاید شہر میں کوئی مسلمان باقی نہیں رہا، مرزاپور میں تقریباً پورا شہر بیعت ہو گیا، بنارس میں ہزاروں اشخاص مرید ہوئے، اور علماء و مشائخ داخل سلسلہ ہوئے، شرک و بدعت پر ضرب کاری لگی، آپ غازی پور، دانا پور ہوتے ہوئے پٹنہ پہونچے، پٹنہ میں دو ہفتہ قیام کیا، اس قیام میں شریعت کی اشاعت و ترویج اور شرک و بدعت کی تردید کا کام پوری قوت سے جاری رہا، عظیم آباد میں چند تبتیوں کو آپ نے تبلیغ کے لئے ان کے وطن تبت کو روانہ کیا، جنکی کوششیں چین تک وسیع ہوئیں، عظیم آباد کے بعد کلکتہ پہونچے، تین مہینے کلکتہ میں قیام رہا، آپ کے قیام نے کلکتہ میں جو اس وقت ہندوستان کا عظیم ترین شہر، اور انگریزی حکومت کا مستقر تھا، ایک دینی انقلاب برپا کر دیا، برادریوں، اور خاندان کے چودھریوں، اور سرداروں نے اپنے اپنے خاندان میں اعلان کر دیا کہ جس نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت نہ کی، اور شرعی پابندی اختیار نہیں کی، اس سے برادرانہ تعلقات منقطع ہیں، اس اعلان پر توبہ کرنے والوں کی قطاریں لگ گئیں، میخانوں میں خاک اڑنے لگی عیش و عشرت، اور فسق و فجور کے مرکزوں میں سناٹا نظر آنے لگا سلطان ٹیپو کے پوتوں نے بھی جن کے بزرگوں کا تعلق سید صاحب کے بزرگوں سے رہا تھا آپ کی توجہ سے فائدہ اٹھایا، تین مہینے کے بعد کلکتہ سے روانہ ہوئے، اس وقت آپ کے ہمراہ حج کرنے والوں کی تعداد سات سو چھپتر تھی، زیارت کرنے والے مسلمانوں، عیسائیوں، اور ہندوؤں کا ایسا ہجوم تھا کہ راستے بند ہو گئے تھے، اور آدمی کا گذرنا مشکل تھا، راستہ میں مختلف بندرگاہوں، اور ساحلی مقامات پر اترتے رکتے، اور وعظ و تلقین کرتے ہوئے، ۲۳ر شعبان بروز چہارشنبہ ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۶ر مئی ۱۸۲۲ء میں جدہ پہونچے، اور ۲۸ر شعبان کو حرم میں

داخل ہوئے۔

اس مقدس مقام میں بھی آپ کا فیض جاری رہا، امام حرم، اور مفتی مکہ، اور دوسرے عرب علماء آپ کے مرید ہوئے، اور دوسرے ممالک اسلامیہ کے عمائد اور سربرآوردہ علماء نے آکر آپ سے فیض حاصل کیا، رمضان مبارک مکہ مکرمہ میں گذرا، ایام حج میں عقبۂ اولیٰ میں جہاں انصار کی پہلی جماعت نے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی تھی، اور ہجرت کی بنیاد پڑی تھی، ساتھیوں سے آپ نے جہاد کی بیعت لی۔

مکہ مکرمہ سے آپ نے مدینہ منورہ کا عزم کیا، اور وہاں قیام فرمایا، وہاں بھی علماء ومشائخ، اور عوام وخواص کا رجوع عام ہوا، مدینہ سے آپ مکہ واپس ہوئے، آپنے دوسرا رمضان بھی مکہ معظمہ میں گذارا، اور دوسرا حج ادا کر کے رائے بریلی یکم رمضان ۱۲۳۹ھ ۳۰ اپریل ۱۸۲۴ء کو واپس ہوئے۔

وطن کے مشاغل

یکم رمضان ۱۲۳۹ھ ۳۰ر اپریل ۱۸۲۴ء سے، ۷ جمادی الآخرہ ۱۲۴۱ھ ۱۷ر جنوری ۱۸۲۶ء تک ایک سال دس مہینے رائے بریلی قیام رہا، یہ زندگی کا آخری قیام تھا، اس عرصۂ قیام کے اہم مشاغل میں جہاد کی ترغیب ودعوت، اور رفقاء کی ایمانی اور عملی تربیت شامل تھی، یہ مدت ایسی فضا اور ماحول میں گذری جس میں ایک طرف دینی جذبات، اور ایمانی کیفیات کی ترقی اور نشو ونما کا سامان تھا، اور دوسری طرف جفاکشی، مجاہدے، سادہ اور سپاہیانہ زندگی، اور خود شکنی کی تعلیم تھی، اس پوری مدت میں آپ کا گاؤں (دائرہ شاہ علم اللہ) علمی وروحانی تربیت گاہ بنا رہا۔

ہجرت کی ضرورت

ہندوستان میں اس وقت اسلام کی بے کسی اور اہل علم و دین کی بے بسی کا جو حال تھا، اس کا پورا نقشہ سید صاحب کی آنکھوں میں تھا، غیر اسلامی قوتوں کا غلبہ آپ دیکھ رہے تھے، خصوصاً پنجاب کے مسلمانوں کی مظلومیت ناقابل برداشت حد تک پہونچ چکی تھی، وہاں کے مسلمان غلامی کی ذلیل زندگی گذار رہے تھے، اور پوری قوم بے اعتمادی، محرومی، اور بے عزتی کا شکار تھی، مسلمانوں کی املاک و جائیداد بات بات پر ضبط ہو جاتی تھی، لاہور کی مشہور شاہی مسجد کے حجروں میں شاہی اصطبل تھا، متعدد مقامات پر اذانوں پر پابندی اور بہت سے اسلامی شعائر پر بندش تھی، اس غلامی اور حقارت آمیز طرز عمل سے مسلمانوں میں مایوسی اور بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔

اس وسیع سرحدی صوبہ میں جو فوجی قابلیت رکھنے والی مسلمان نسلوں کا مرکز تھا، اور وہاں مسلمان واضح اکثریت میں تھے، مسلمانوں کی ذلت و محکومیت اور ایسی غیر مسلم طاقت کو جس کو مسلمانوں سے خصوصی عناد تھا، آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، یہ دہلی کے مرکز اور پورے شمال مغربی ہندوستان کے لئے نیز صوبہ سرحد اور افغانستان کے لئے بھی ایک مستقل خطرہ تھا، سید صاحب اور ان کے رفقاء کی بہت بڑی دوربینی اور سیاسی بصیرت تھی کہ انھوں نے اس خطرہ کو محسوس کیا اور اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں میں پنجاب کو اولیت دی۔

ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط، مسلمانوں کی آپس میں خانہ جنگی، اور انتشار، اور اسلام کے زوال کے مشاہدہ نے آپ کو بے چین کر دیا، آپ کے نزدیک اعلاء کلمۃ اللہ، اور

بلاد اسلامیہ کے استخلاص کی ضرورت ہر غیور اور فرض شناس مسلمان سے جہاد کا مطالبہ کر رہی تھی، آپ کی نظر میں جہاد دین کا ایک نہایت اہم شعبہ اور تکمیلی قدم تھا، اور جہاد کا مقدمہ ہجرت کو سمجھتے تھے، اس لئے کہ اس وقت کے حالات میں جہاد بغیر ہجرت کے مشکل تھا، آپ کو قرآن مجید کی صریح آیات اور واضح احادیث کے پیش نظر تعمیل کے جذبہ نے اس پر ابھارا، رضا اور محبت الٰہی کے شوق نے آپ کے دل کو گدگدایا، ان حقائق نے آپ کے دل میں جہاد کا عزم راسخ پیدا کر دیا۔

سید صاحب کے نزدیک اگرچہ مقصود اصلی ہندوستان تھا، جیسا کہ آپ کے بہت سے خطوط سے جو آپ نے ہندوستان کے والیان ریاست اور بیرون ہند کے مسلمان فرمانرواؤں کو لکھے، واضح ہوتا ہے، لیکن پنجاب میں جس پر رنجیت سنگھ کی باقاعدہ حکومت قائم ہو گئی تھی، اور مسلمان ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے، اس لئے ان کی فوری امداد کی ضرورت تھی، نیز فوجی مصالح، اور سیاسی تدبر کا تقاضہ تھا کہ یہ مہم ہندوستان کے شمالی مغربی سرحد سے شروع کی جائے، جو طاقتور اور پرجوش افغانی قبائل کا مرکز تھا جن کے بہت سے اعزہ، افراد خاندان آپ سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھتے تھے، اور آپ کے لشکر میں شامل تھے، انھوں نے امید دلائی تھی کہ وہ قبائل اس مقصد کے سلسلہ میں آپ کی رفاقت و نصرت کریں گے، نیز وہاں سے آزاد اسلامی ممالک کی ایک زنجیر شروع ہوتی تھی، جو ترکی تک چلی گئی تھی، آپ شروع ہی سے اس کام کے لئے اپنے کو، اور اپنی جماعت کو تیار کر رہے تھے۔

ہجرت

دوشنبہ ۷ جمادی الآخرہ ۱۲۴۱ھ ۱۷ جنوری ۱۸۲۶ء میں اپنے وطن رائے بریلی کو

خدا حافظ کہا، ہندوستان کے شمالی مغربی سرحد پہونچنے کے لئے آپ نے صوبجات متحدہ مالوہ کے علاقوں، اور راجپوتانہ، مارواڑ، سندھ، بلوچستان، افغانستان اور صوبہ سرحد کے ریگستانوں، میدانوں، پہاڑوں، دروں، جنگلوں اور دریاؤں اور دلدلی علاقوں کو طے کیا، جن کو طے کرنا ایک مستقل جہاد تھا، بعض جگہ پانی کی قلت، سامان خوراک کی کمی، راہ کی خستگی، مقامات کی دشوار گذاری، قزاقوں کا خطرہ، بھوک اور پیاس کی شدت، اجنبی قوموں، اجنبی ملک، نئی زبانوں، نرم گرم مزاجوں کا سامنا کرنا پڑا، ان کے علاوہ شبہات اور اندیشے، تحقیقات و تجسس یہ تمام چیزیں پیش آئیں، آپ کے قافلہ میں دہلی اور اودھ، دوآبہ کے شرفاء، سادات، علماء و مشائخ، امیر گھرانوں کے ناز پروردہ اشخاص، اور بانکے جوان، اور جوش جہاد سے سرشار نحیف و ناتواں جسم رکھنے والے بھی تھے، یہ قافلہ چھ سو افراد پر مشتمل تھا۔

آپ نے پہلی منزل دلمئو میں کی، پھر فتح پور، باندہ، جالون، ... ، گوالیار، ٹونک تشریف لے گئے، ہر جگہ اور ہر مقام پر لوگوں نے خوش آمدید کہا، اور بیعت و ارادت سے مشرف ہوئے، گوالیار میں مہاراجہ کی خواہش پر شرف ملاقات بخشا، مہاراجہ نے نذر پیش کی، گوالیار سے ٹونک تشریف لے گئے، ٹونک کے نواب امیر خاں نے (جن کے لشکر میں آپ چھ سال رہ چکے تھے) پرجوش استقبال کیا، اور آگے کے سفر میں دور تک مشایعت کی، ٹونک سے اجمیر اور پالی ہوتے ہوئے مارواڑ کا نہایت دشوار گذار صحرا قطع کر کے مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے حیدرآباد سندھ پہونچے، راستہ میں ہزارہا مردوں، عورتوں نے بیعت کی، اور بہت سے لوگ ساتھ ہوئے، اس وقت سندھ خود مختار حکمرانوں کے ماتحت تھا، جو ایک ہی خاندان کے افراد تھے، اور جن کے

حدود حکومت میں لاکھوں کی تعداد میں جنگجو، اور جنگ آزما آباد تھے، اسی طرح ایک بڑی تعداد ان مشائخ کی تھی، جن کے ماننے والے پورے سندھ میں پھیلے ہوئے تھے، ان سارے حضرات نے سید صاحب کا استقبال کیا، اور حمایت کا یقین دلایا، حیدر آباد کے والی میر محمد اور عمائد و مشائخ نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔

حیدر آباد میں ایک ہفتہ قیام کر کے آپ پیر کوٹ گئے، اور وہاں دو ہفتے قیام کیا، پھر شکار پور تشریف لے گئے، سندھ کے بزرگوں اور مشائخ سے ملاقاتیں کیں۔

شکار پور سے چل کر مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے، اور جہاد کی دعوت دیتے ہوئے، چھتر بھاگ، اور ڈھاڈر گئے، ان تمام علاقوں میں علماء صوفیاء، اور اہل ملک نے دست بوسی اور زیارت کا شرف حاصل کیا، آپ نے پورے قافلے کے ساتھ درہ بولان کا تنگ اور خطرناک راستہ طے کیا، درہ بولان ایک قدرتی راستہ ہے، جو قدرت الٰہی نے اولوا العزم فاتحین، اور ضرورت مند مسافروں کے لئے اس طویل سلسلۂ کوہ کے اندر پیدا کر دیا ہے، جو ہندوستان کو افغانستان سے جدا کرتا ہے، درہ بولان سے گذر کر آپ شال (کوئٹہ) پہونچے شال کے امیر نے بڑی ارادت مندی کا اظہار کیا، اور علماء نے بیعت کی۔

افغانستان میں

شال سے چل کر قندھار تشریف لے گئے، اس وقت افغانستان پر بارک زئی بھائیوں کا قبضہ تھا، جو درانی کہلاتے تھے، قندھار پر پُردل خاں، غزنی پر میر محمد خاں، کابل پر دوست محمد خاں، اور سلطان محمد خاں، اور پشاور پر یار محمد خاں حاکم تھے، ان بھائیوں کے درمیان بڑی نااتفاقیاں تھیں، اور وہ آئے دن خانہ جنگیوں کا شکار ہوتے رہتے تھے،

سید صاحب کا ایک عظیم کام یہ بھی تھا کہ وہ ان بھائیوں کے درمیان اتفاق پیدا کر کے ان کو مخالفین اسلام سے جہاد کرنے پر آمادہ کریں۔

آپ جب قندھار پہونچے تو حاکم قندھار نے آگے بڑھ کر استقبال کیا، اسی طرح شہر کے ہزارہا علماء، شرفا پاپیادہ استقبال کے لئے نکلے، ہجوم سے سڑکیں بند ہو گئیں، چار دن قندھار میں قیام رہا، ہر شخص آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کے لئے بیتاب و بے قرار تھا، آپ قندھار سے غزنی تشریف لے گئے، چار سو کے قریب علماء فضلاء، مدارس کے طلبہ، اور خانقاہوں کے مشائخ جوش جہاد سے سرشار، سر دینے کے لئے تیار ہو کر آپ کے ہمراہ ہو لئے، آپ نے ان میں سے دو سو ستر کا انتخاب کیا، اور اپنے ساتھ لے لیا، قندھار اور غزنی کے راستے آپ نے میر محمد خاں حاکم غزنی، اور سلطان محمد خاں حاکم کابل کو خطوط لکھوائے، اور اپنی آمد کی اطلاع، اور مقصد کا اظہار، اور تعاون کی خواہش کی، جب آپ غزنی پہونچے، تو رؤسائے شہر، اور اہل علم و فضل، اور بے شمار آدمیوں نے سوار اور پاپیادہ دو کوس نکل کر آپ کا استقبال کیا، آپ نے سلطان محمود غزنوی کے مزار سے متصل لشکر کا پڑاو ڈالا، اور وہاں بکثرت لوگ بیعت ہوئے۔

غزنی دو روز قیام کر کے کابل تشریف لے گئے، رؤسا اور عمائد سلطنت، اور ہزارہا آدمی آپ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آ گئے، گھوڑوں اور ہجوم کی وجہ سے ایسی گرد اڑ رہی تھی کہ کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی، سلطان محمد خاں والی کابل اپنے تین بھائیوں کے ساتھ پچاس سواروں کی جمعیت لے کر استقبال کے لئے کھڑے تھے، آپ کابل میں ڈیڑھ مہینے ٹھہرے، اور جہاد و اصلاح و تبلیغ کا برابر چرچا رہا، آپ کی صحبت بابرکت سے عوام و خواص مستفید ہوتے رہے، اور آپ کے قافلے کے ایمان پرور حالات، اور جہاد کا

جذبہ، اور راہ مولیٰ میں جان دینے کا شوق دیکھ دیکھ کر اس مبارک قافلہ میں شریک ہوتے تھے، آپ نے بارک زئی بھائیوں میں مصالحت کرانے کی پوری کوشش کی اور اس کے لئے چھ ہفتے قیام فرمایا، لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی، مجبوراً آپ پشاور کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں مسلمان اس جوش و خروش کے ساتھ استقبال کرتے تھے، جس کا مظاہرہ سارے سفر میں ہوتا رہا، پشاور میں تین روز قیام کر کے ہشت نگر میں چند دن قیام کرتے ہوئے، اور مسلمانوں کو جہاد کے لئے تیار کرتے ہوئے نوشہرہ تشریف لے گئے، جہاں سے جہاد جیسے محبوب عمل، اور عبادت عظمیٰ کا آغاز فرمایا، جو برسوں کی دعوت و تبلیغ، اور جد و جہد کا ماحصل، اور اس پر مشقت سفر کا مقصد تھا۔

اکوڑہ کی جنگ

نوشہرہ سے آپ نے حکومت لاہور کو اعلام نامہ بھیجا جس میں سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی گئی، ورنہ جزیہ دینے، اور اطاعت کرنے کا مطالبہ کیا، اور ان دونوں مطالبوں کے قبول نہ کرنے کی صورت میں جنگ کی دھمکی دی، آخر میں یہ لکھا کہ تم کو شراب کی اتنی محبت نہ ہوگی، جتنی ہم کو شہادت سے ہے، اس اعلام نامہ کے جواب میں حکومت لاہور نے سکھوں کا ایک بڑا لشکر مقابلہ کے لئے بھیج دیا، اس خبر کے ملتے ہی سید صاحب نے جنگ کی تیاری کی، اس وقت مجاہدین کے دماغوں میں جہاد کا عجیب نشہ تھا، ہر ایک شوق شہادت سے سرشار ہو رہا تھا، سید صاحب کے ساتھیوں کی تعداد سات سو تھی، اور حریف لشکر سات ہزار مسلح افراد پر مشتمل تھا، چہارشنبہ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ ۲۰ دسمبر ۱۸۲۶ء کو آدھی رات کے قریب اس مٹھی بھر جماعت کا اپنے سے دس گنے حریف کا مقابلہ ہوا، مجاہدین بڑی بے جگری سے

لڑے، اور دشمن پسپا ہونے لگا، اور رات گذرتے گذرتے دشمن پوری طرح پسپا ہو چکا تھا"
اس جنگ سے مسلمانوں کے دل بڑھ گئے، اور آپ کی خدمت میں آکر مختلف قبیلوں کے سردار، علماء، وعمائد بیعت ہونے لگے، اور آپ پر ان کا اعتماد بڑھ گیا، آپ نے سرداروں میں صلح کرائی، قلعہ ہنڈ کے سردار خادے خاں بھی آکر مرید ہوا، اور اس کی خواہش پر آپ نے اپنے قافلہ کے ساتھ قلعہ ہنڈ میں تین ماہ قیام کیا۔

حضرو کا چھاپہ، اور بیعت امامت

اکوڑہ کی کامیاب جنگ کے بعد ملکی لوگوں نے سید صاحب سے خواہش کی کہ حضرو جو ایک بڑی منڈی تھی، اور سکھوں کی عملداری میں تھی، شبخون مارا جائے، سید صاحب نے اجازت مرحمت فرمادی، مگر خود شریک نہیں ہوئے، اس شبخون میں ملکی اور مقامی لوگوں نے مال غنیمت لوٹنے میں بڑی بے عنوانیاں کیں، انھوں نے سید صاحب کے احکام کی پروانہ کی، اور بلا کسی نظام و ضابطہ کے جو جی میں آیا کیا، اس لئے علماء لشکر کا یہ متفقہ فیصلہ ہوا کہ سب سے زیادہ ضروری اور مقدم کام یہ ہے کہ اپنا ایک امام اور امیر مقرر کیا جائے، تاکہ اس کی قیادت وامارت میں جہاد ہو۔

چنانچہ ہنڈ میں ۱۲ رجمادی الثانیہ ۱۲۴۲ھ ۱۳ر جنوری ۱۸۲۷ء کو بالاتفاق سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت امامت وخلافت کرلی گئی، خادے خاں، اشرف خاں، فتح خاں، بہرام خاں، اور چھوٹے بڑے جتنے خان اور رئیس تھے، سب نے آکر بیعت امامت کی، اس کے علاوہ علماء ہندوستان نے آپ کی امامت کو قبول کیا، سید صاحب نے بیعت امامت کی اطلاع کے خطوط، اور دعوت نامے سارے سرداروں، والیان ملک، علماء و مشائخ ورؤسائے ہندوستان کو بھیجے، حاکمان پشاور، سردار یار محمد خاں، سلطان محمد خاں وغیرہ نے آپ کی

مقبولیت اور للّٰہیت کو دیکھا تو بڑی جمعیت کو لے کر آئے اور بیعت کر لی، آپ نے امیر منتخب ہونے کے بعد پورے علاقہ میں شرعی نظام قائم کر دیا، اور ہر طرف شریعت کے احکام جاری کر دیئے، اور سارے فیصلے قانون شریعت کے مطابق ہونے لگے، احتساب کا ایسا اثر ہوا کہ دور دور تک کوئی بے نمازی نہیں ملتا تھا۔

شیدو کی جنگ، اور زہر خورانی

سید صاحب کی امامت و خلافت سے یہ پورا علاقہ ایک متحدہ ملک بن گیا، چھوٹے بڑے سرداروں کی خود مختاری گویا ختم ہوگئی، تو ان کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی، اگرچہ وہ فضا اور ماحول سے مجبور ہو کر سید صاحب سے بیعت ہوگئے تھے، اور آپ کی امامت و خلافت کو قبول کیا، مگر اندرونی طور پر آپ کے درپئے آزار ہوگئے، اور پردہ دربار لاہور سے ساز باز کرنے لگے۔

سکھوں سے کئی جھڑپوں، اور چھیڑ چھاڑ کے بعد انہیں سرداروں نے جن کی زبانیں سید صاحب کے ساتھ تھیں، اور دل دربار لاہور کے غلام تھے، یہ خواہش ظاہر کی کہ سکھوں کے خلاف ایک منظم اور فیصلہ کن جنگ کی جائے، ان سرداروں کے مشورے اور خواہش پر شیدو کا میدان انتخاب کیا گیا، اور جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں، کہ ایک رات ان منافقین کی طرف سے سید صاحب کے کھانے میں زہر ملا دیا گیا، اس وقت مسلمانوں کی فوج میں ملکی اور غیر ملکی سب تھے، سارے سردار اپنی اپنی فوج کے ساتھ شریک تھے، لڑائی کا نقشہ مسلمانوں کے حق میں جا رہا تھا، کہ اچانک پشاور کے سردار سکھوں سے مل گئے، سلطان یار محمد خاں اپنے ساتھیوں سمیت میدان جنگ سے فرار ہوگیا، اس لڑائی کے بعد سید صاحب کا مقابلہ اب صرف سکھوں سے نہ رہا، بلکہ سکھوں کے ساتھ ساتھ سرداران پشاور، اور ملکی

لوگوں سے بھی ہوا، اور منافقوں کی ایک مسلح فوج سید صاحب کے مقابل آ گئی۔

پنجتار میں

اس نئی صورت حال کے پیش نظر فتح خاں والی پنجتار کی خواہش پر آپ ہنڈ سے پنجتار تشریف لے گئے، اور اس کو اپنا مرکز بنایا، پنجتار علاقہ سوات کے قریب پہاڑوں کے بیچ میں ایک محفوظ مقام تھا، طویل عرصہ تک یہ پنجتار مجاہدین کا مستقر رہا، اس کو اسلام کی چھاؤنی، اور اصلاح وارشاد کا مرکز بننے کی سعادت ملی، یہ چھوٹی سی پہاڑی مجاہدین کی ایک بارونق چھاؤنی تھی، جس کا کونہ کونہ مجاہدوں اور عابدوں سے آباد اور ذکر وتلاوت، جہاد اور مجاہدوں، محبت واخوت، خدمت وایثار سے گلزار تھا۔

پنجتار کے مستقر بننے اور آباد ہونے سے خادے خاں والی ہنڈ کو بڑی تشویش ہوئی اور حسد پیدا ہوا، وہ سید صاحب سے کبیدہ خاطر ہوا، اور نقصان پہونچانے کے درپے ہو گیا، شیدو کی جنگ کے غیر متوقع اور دل شکن واقعہ سے سید صاحب کے عزم وہمت، اور دعوت وجہاد کے انہماک میں فرق نہیں آیا، آپ نے بنیر اور سوات اور پھر ہزارہ کا دورہ کیا، یہ دورہ تبلیغ وافادہ، وہدایت اور جہاد کی تبلیغ کے لحاظ سے بہت کامیاب رہا، آپ نے پنجتار سے خہر کا سفر کیا، جو سوات کا مرکز ہے، اور وہاں ایک سال قیام کیا، اسی قیام کے دوران خہر میں مولانا عبدالحئی کا انتقال ہو گیا، جن کی حیثیت لشکر میں شیخ الاسلام کی تھی، اور سید صاحب خود ان کا بڑا احترام فرماتے تھے۔

رنجیت سنگھ کے فرانسیسی جنرل سے مقابلہ

رنجیت سنگھ کے ایک فرانسیسی جنرل ونٹورا نے دس بارہ ہزار فوج کے ساتھ

مجاہدین پر حملہ کر دیا، اور خادے خاں والی ہنڈ نے وینٹورا کی مدد کی، جنرل وینٹورا نے مجاہدین کا جوش وجہاد، اور شوق شہادت دیکھ کر پسپائی اختیار کی، اور پسپا ہوتے ہوئے لاہور واپس ہو گیا، کئی ماہ بعد فرانسیسی جنرل وینٹورا نے دوبارہ پیش قدمی کر کے ستمہ کا رخ کیا، خادے خاں نے اس کا استقبال کیا، اور در پردہ اس کی مدد کی، سید صاحب نے وینٹورا کی آمد پر اہل علاقہ کو اس کی خبر دی اور خطوط لکھوائے، اور ایک دفاعی دیوار تیار کرائی، مجاہدین نے سید صاحب کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی، وینٹورا نے دیکھا کر مجاہدین پہاڑیوں چوٹیوں، اور دروں میں پھیلے ہوئے ہیں، تو خوف اور رعب سے واپس ہو گیا، مجاہدین کی استقامت، اور عنداللہ مقبولیت کا چرچا اطراف وجوانب میں ہوا، اور لوگ جوق درجوق آنے لگے، اور بیعت ہونے لگے، سید صاحب نے دیہاتوں اور قصبات کا دورہ کیا، اور نظام شرعی کو مستحکم کیا، خادے خاں نے باوجود افہام وتفہیم کے دشمنوں سے ساز باز کی، اس بناء پر سید صاحب نے مجبوراً قلعہ ہنڈ پر حملہ کر کے اسکو تسخیر کر لیا، اس حملہ میں خادے خاں مقتول ہوا،

جنگ زیدہ اور یار محمد خاں کا قتل

امیر خاں جو خادے خاں کا بھائی تھا، سردار یار محمد خاں سے جس نے سید صاحب کو شیدو کی جنگ میں زہر دلوا دیا تھا، مل گیا، اور اس سے سازباز کی، سید صاحب نے یار محمد خاں سے گفتگو کی، اور اس کو افتراق وانتشار، اور فتنہ انگیزی سے باز رکھنا چاہا، مگر اس نے باز آنے کے بجائے زیدہ کے مقام پر مجاہدین کے مقابلہ میں جنگ چھیڑ دی، مجاہدین کی استقامت اور ثبات قدمی سے درانی لشکر کے قدم اکھڑ گئے، اور مجاہدین کا توپوں پر قبضہ ہو گیا، پورے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی، اور یار محمد خاں مقتول ہوا، درانیوں نے قلعہ ہنڈ پر جو مجاہدین کے قبضہ میں تھا،

حملہ کردیا، مجاہدین اس وقت صرف پچاس ساٹھ کی تعداد میں تھے، انھوں نے جم کر مقابلہ کیا، اور اس حملہ کو ناکام بنادیا۔

اس زمانہ میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ مجاہدین پشاور پر جو درانیوں کے قبضہ میں تھا حملہ کرنے والے ہیں، درانیوں نے ہنڈ سے ہٹ کر پشاور کا رخ کیا، اس عرصہ میں عشرہ اور امب پر مجاہدین نے قبضہ کرلیا۔

سید صاحب کا خیال تھا کہ کشمیر کی طرف بڑھا جائے، اس کے لئے ضروری تھا کہ پھولڑے پر قبضہ ہو، اس لئے اپنے بھانجہ سید احمد علی کی سرکردگی میں مجاہدین کی ایک جماعت روانہ کی، سکھوں نے اس جماعت پر اچانک حملہ کردیا، اچانک حملہ سے بہت سے مجاہدین شہید ہوگئے، اور خود سید احمد علی نے بھی مردانہ وار جام شہادت پیا، سید صاحب نے امب میں قیام فرمایا، اور قضا و اصلاح اخلاق کا نظام جاری کیا۔

جنگ مایار

سلطان محمد خاں نے مجاہدین سے ایک فیصلہ کن جنگ کا عزم کرلیا اس نے درانیوں کی ایک بڑی فوج اپنے ساتھ لی، وہ ھشنگی سے ہوکر چارسدے میں پہونچا، سید صاحب نے بھی اپنے رفقاء کو لے کر تورو میں اپنا خیمہ نصب کرلیا، اور سرداران پشاور کو آپس کی لڑائی سے باز رکھنا چاہا، مگر سرداران پشاور نے اس جذبۂ مصالحت کی قدر نہ کی، سلطان محمد خاں اور ان کے بھائی بھتیجوں سے قرآن مجید ہاتھ میں لیکر قسم کھائی، پوری فوج اس دروازے سے گزاری گئی جس سے قرآن مجید لٹک رہا تھا، تورو، ہوتی کے درمیان مایار کے میدان میں ایک خونریز جنگ ہوئی، مولانا محمد اسماعیل صاحب اور شیخ ولی محمد صاحب نے

توپوں پر قبضہ کرلیا، اور انہوں کے قدم اکھڑ گئے اور مجاہدین کو فتح مبین حاصل ہوئی، اس جنگ میں مجاہدین کی شجاعت وجاں بازی، قوت ایمانی، تسلیم ورضا اور شوق آخرت کے ایسے مناظر سامنے آئے، جنھوں نے قرون اولیٰ کی یاد تازہ کردی۔

پشاور کی فتح اور سپردگی

سید صاحب نے مایار کی جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد پشاور کا قصد کیا، جو شمالی مغربی علاقے میں لاہور اور کابل کے بعد دوسرا اہم شہر اور صوبہ سرحد کا قدیم سے مرکز و دارالحکومت تھا، حالات نے اب اس پر مجبور کردیا، کہ پشاور کو براہ راست اپنے انتظام میں لے لیا جائے، سلطان محمد خاں نے جب دیکھا کہ مجاہدین نے پشاور پر قبضہ کرنے کا عزم کرلیا ہے، تو وہ اپنے افراد خاندان، اور رفقاء کو لے کر پشاور سے باہر چلا گیا، اور وہاں سے سید صاحب سے نامہ وپیام شروع کیا، آپ پشاور میں داخل ہوئے تو اہل شہر آپ کی آمد سے بہت مسرور ہوئے، جگہ جگہ شربت کی سبیلیں لگائیں، اور چراغاں کیا، لشکر نے قرون اولیٰ کی اسلامی افواج کی طرح اپنی اسلامی سیرت وتربیت، و اتقیاء و امانت کا پورا مظاہرہ کیا۔

سلطان محمد خاں نے صلح کی پیش کش کی، اور تابعداری کا عہد کیا، اور حلف شرعی کے ساتھ وعدہ کیا، کہ پشاور دوبارہ اس کے سپرد کردیا جائے، وہ شرعی نظام جاری کرے گا، اور اس ملک کو اسلامی حکومت بنائے گا، سید صاحب نے اس بنا پر کہ انھوں نے ملک گیری کے لئے نہیں، بلکہ اسلامی حکومت کے قیام، اور شریعت کے نفاذ کے لئے یہ سفر اختیار کیا تھا، اور اس میں ان کو کسی دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں، اس کی پیش کش کو قبول کرلینا اور اس کو پھر ایک موقعہ دینے کا فیصلہ کرلیا، پشاور پھر سلطان محمد خاں کی سپردگی میں دے دیا گیا، اور آپ پشاور سے

روانہ ہو کر پنجتار واپس ہو گئے۔

قضاۃ و محصلین کا قتل عام

نظام شرعی کے قیام، عمال و محصلینِ زکوٰۃ کے تقرر، احکام شرعی کے نفاذ میں سرداران قبائل بالخصوص سلطان محمد خاں، اور دنیادار علماء کو جن کے مالی و دنیاوی مفادات پر اثر پڑتا تھا، اپنا صریح نقصان نظر آیا، اور انھوں نے ان پابندیوں سے نجات حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

پشاور کی سپردگی کو تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ سلطان محمد خاں نے ایک سازش تیار کی، اس نے عوام و خواص میں مجاہدین کو بدنام کیا، اور علماء سوء سے ایک محضر پر دستخط لئے، کہ سید صاحب اور مجاہدین کے عقائد و خیالات فاسد ہیں، پشاور اور سمہ کے پورے علاقے میں سید صاحب کے مقرر کئے ہوئے حکومت شرعیہ کے ان عمال، محصلین، قضاۃ، محتسبین، اور غازیوں کو جو پنجتار کے علاوہ پورے علاقہ میں جابجا متعین اور مقرر تھے، بیک دفعہ قتل کر دینے کا منصوبہ بنایا، اور نہایت بے دردی کے ساتھ ان کا قتل عام کرا دیا، کوئی نماز میں شہید ہوا کوئی مسجد میں پناہ لینے کی حالت میں اور کوئی لڑتے ہوئے مارا گیا، ان ظالموں نے علماء، سادات عورتوں اور غیر مسلموں کی سفارش اور درخواست رحم کی بھی پروا نہیں کی اور ان کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیا، یہ سالہا سال کی تربیت کا نتیجہ، عمر بھر کی کمائی، اور ہندوستان کا عطر و انتخاب تھے۔

ہجرت ثانیہ

اس سفاکانہ قتل عام سے سید صاحب کا دل ٹوٹ گیا، مقامی لوگوں کی بیوفائی،

احسان فراموشی، اور ظلم و بربریت سے اتنے دل شکستہ ہوئے کہ اس مقام سے ہجرت کا ارادہ کرلیا، آپ نے پہلے علماء و خوانین کو پنجتار میں جمع کیا، واقعہ حائلہ اور اس کے اسباب کی تحقیق کی اپنی آمد کے مقاصد اور اپنی کوششوں کا ذکر کیا جب آپ کو یقین ہوگیا کہ آپ کے رفقاء اس معاملہ میں بعض بے قصور مظلوم تھے اور مقامی آبادی کا ذہن اور دامن پاک صاف نہیں ہے تو آپ نے ہجرت کا پختہ ارادہ کرلیا۔

جب ہجرت کی خبر گرم ہوئی، تو مقامی علماء و سادات، اور مخلصین کی جماعت، اور معتقد خوانین جو پنجتار میں مقیم تھے، بہت فکرمند اور رنجیدہ ہوئے، اور جوق در جوق لوگ آ آ کر سید صاحب سے ہجرت نہ کرنے کی درخواست کرنے لگے، لیکن آپ اس پر راضی نہ ہوئے، اس لئے کہ آپ کو اس کا علم ہو چکا تھا کہ سلطان محمد خاں کی سازش اور عمال و محصلین کے بے دردانہ قتل کے منصوبے میں فتح خاں، اور اس کے قبیلہ کے لوگوں کی بھی شرکت تھی، اور اس نے خود بھی وہاں قیام کرنے کے لئے کوئی درخواست نہیں کی، بلکہ رازداری کے طور پر اس فیصلہ کی تائید کی، لیکن آپ نے بجائے کوئی انتقامی کارروائی کرنے کے فتح خاں کے ساتھ عفو و درگذر، اور احسان مندی کا معاملہ کیا، اور اس کو تحائف و ہدایا سے بھی سرفراز کیا، لیکن اس علاقہ سے ہجرت کرنے کے عزم میں کوئی تزلزل پیدا نہیں ہوا، آپ فتح خاں کے سپرد پنجتار کا علاقہ کرکے کوچ فرما گئے، موضع راج دواری میں قیام فرمالیا، راستہ میں تمنہ (جہاں غازی، قضاۃ اور مخلصین شہید کئے گئے تھے) کے لوگ دوڑے دوڑے آئے اور واپس چلنے کی درخواست کی، آپ نے فرمایا، "لا یلدغ المؤمن من جحر مرتین" (ایک سوراخ سے مومن دوبار نہیں ڈسا جاتا)

کشمیر کی طرف

آپ نے اپنے آئندہ اصلاحی و مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز بنانے کے لئے کشمیر کا انتخاب کیا

اور اپنے بچے کھچے انسانی سرمایہ، اور ان جان نثار و باوفا رفقاء کو لے کر جو اس بے سروسامانی اور اشتباہ والتباس کی حالت میں بھی آپ کا ساتھ چھوڑنے کے لئے کسی طرح تیار نہ تھے، کشمیر کا رخ کیا، جو ایک وسیع اور محفوظ وادی ہے، اور اس کو وہ قدرتی استحکامات حاصل ہیں، جن سے ایک ہوش مند قیادت بہت فائدہ حاصل کر سکتی ہے، نیز اس کے ذریعہ سے ایک طرف ہندوستان پر اثر انداز ہوا جا سکتا تھا، دوسری طرف وسط ایشیا کے ان اسلامی ممالک سے جو نسلی اور فوجی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتے تھے، اور جنھوں نے زمانۂ سابق میں مضبوط اسلامی سلطنتیں قائم کی تھیں، روابط پیدا کئے جا سکتے تھے۔

بالاکوٹ میں

اس زمانہ میں پکھلی اور وادی کاغان کے روساء، اور اہل علاقہ کی امارت وریاست کچھ تو سکھوں کے حملوں، اور کچھ آپس کی ناچاقیوں سے تزلزل میں تھی، یہ سب سید صاحب کی مدد کے طالب تھے، نیز ان کی ریاستیں کشمیر جانے والے راستہ میں پڑتی تھیں، جس کو سید صاحب اپنا مرکز بنانا چاہتے تھے، اور یہ دوسری ہجرت اسی طرف ہو رہی تھی، ان سب کو مدد دینے اور ان کی حمایت، اور فوجی قوت حاصل کرنے، اور کشمیر کی طرف بڑھنے کی تیاری کرنے کے لئے سب سے موزوں مقام بالاکوٹ تھا، جو وادی کاغان کے جنوبی دہانے پر واقع ہے، یہاں پہونچکر وادی کو پہاڑی دیوار نے بند کر دیا ہے، دریائے کنہار کے منفذ کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے، پہاڑ کی دو دیواریں متوازی چلی گئی ہیں، بیچ میں وادی ہے، جس کا عرض آدھے میل سے زیادہ نہیں ہے، اسی خلا میں دریائے کنہار گذرا ہے، بالاکوٹ کے مشرق میں کالو خان کا بلند ٹیلہ، اور مغرب میں مٹی کوٹ کا ٹیلہ ہے۔

یہ دوسرا سفرِ ہجرت بھی نہایت پُرمشقت اور پُرخطر تھا، پہاڑوں کی چوٹیاں اور وادیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں، راستے نہایت پیچدار اور نشیب و فراز کے تھے، راستہ میں رسد اور باربرداری کا کوئی انتظام نہ تھا، یہ سفر بھی آپ کی بلند ہمتی اور اولوالعزمی اور رفقاء کی جفاکشی، قوت ایمانی، اور صبر و تحمل، اور اپنے مقصد سے عشق کا آئینہ دار ہے، آپ پنجتار سے مختلف مقامات ہوتے ہوئے سچون پہونچے، اور وہاں سے بالاکوٹ کا رخ کیا، سچون سے ۵ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ / ۱۷ اپریل ۱۸۳۱ء کو کوچ کر کے بالاکوٹ میں داخل ہوئے۔

آخری جنگ اور شہادت

شاہزادہ شیر سنگھ کو (جو اپنے والد مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے مجاہدین سے آخری جنگ کی مہم پہ مامور تھا) جب معلوم ہوا کہ سید صاحب اپنے غازیوں کے ساتھ بالاکوٹ میں مقیم ہیں، تو اس نے سکھوں کی ایک بڑی فوج لے کر دریائے کنہار کے مشرقی کنارے، بالاکوٹ سے دو ڈھائی کوس پر پڑاؤ ڈالا، اور دھیرے دھیرے وہ لشکر بالاکوٹ کے قریب پہونچ گیا۔

جب یہ بات واضح ہو گئی، کہ سکھوں کا لشکر مٹی کوٹ سے اتر کر بالاکوٹ پر حملہ کرے گا، تو ایک موثر اور فیصلہ کن جنگ کے انتظامات کئے گئے، قصبے کا جائے وقوع اور میدان جنگ کی طبعی کیفیت مجاہدین کے لئے سازگار تھی۔

راجہ شیر سنگھ بالاکوٹ کی اس طبعی صورت کو دیکھ کر اس کو تسخیر کرنے سے مایوس ہونے لگا، اور واپس ہونے کا ارادہ کر رہا تھا، کہ مقامی لوگوں میں سے کسی نے قصبے

تک پہونچنے میں اس کی رہنمائی کی، اور دیکھتے ہی دیکھتے شیر سنگھ کی فوج مٹی کوٹ پر ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو مور و ملخ کی طرح چھا گئی، مٹی کوٹ سے اوتر کر شیر سنگھ کی فوج نے غازیوں پر یورش کر دی، سید صاحب آگے آگے اور مجاہدین پیچھے پیچھے تھے سکھوں کی گولیاں اولوں کی طرح برس رہی تھیں، آپ نے آگے بڑھ کر تکبیر کہی، اور دشمنوں کی طرف بڑھے، اور جس طرح شیر اپنے شکار پر جاتا ہے، اسی سرعت سے آپ جا رہے تھے، پچیس ۲۵ تیس ۳۰ قدم کھیت میں ایک بڑا سا پتھر زمین سے نکلا ہوا ہے، آپ اس کی آڑ میں جا کر ٹھہرے، اور آپ نے، اور آپ کے ساتھ غازیوں نے بندوقوں کی پھر قرابینوں کی باڑھ ماری، ان باڑھوں سے بے شمار دشمن مقتول ہوئے، اور منہزم ہو ہو کر پہاڑ پر واپس ہونے لگے، مجاہدین پہاڑ کی جڑ تک پہونچ گئے، دشمنوں کی ٹانگیں پکڑ پکڑ کر کھینچنے لگے، اور تلواریں مار مار کر ہلاک کرنے لگے۔

اسی اثناء میں سید صاحب لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے، مجاہدین کو آپ کی شہادت کا یقین ہونے لگا، اور وہ آپ کو تلاش کرنے لگے، ادھر مولانا محمد اسماعیل کے سر میں گولی لگی، اور وہ بھی شہید ہو گئے، دشمنوں نے دیکھا کہ مجاہدین ان کی شہادت سے سراسیمہ ہو رہے ہیں، تو انھوں نے تازہ اور بھرپور حملہ کر دیا، اور بندوقوں کی مسلسل باڑھیں ماریں، جس سے بہت سے مجاہدین شہید ہو گئے، اور لڑائی کا نقشہ پلٹ گیا، بڑے بڑے علماء، مشائخ اور مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا، اور بڑی بے جگری سے لڑ کر جانیں دیں، اس معرکہ میں تین ۳۰۰ سو سے زیادہ مجاہد شہید ہوئے۔

بالاکوٹ کی اس سرزمین پر ان مبارک انسانوں کا وہ مبارک سفر تمام ہوا جس کی ابتداء ۷ جمادی الآخرہ ۱۲۴۱ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱۸۲۶ء کی صبح کو سید احمد شہیدؒ

اپنے غازیوں کے ساتھ اپنے وطن رائے بریلی سے کی تھی، اور ۲۴ ذی قعدہ سنہ ۱۲۴۶ھ ۶ مئی سنہ ۱۸۳۱ء کو منزل مقصود پر پہونچ گئے، جس پر پہونچنے کے لئے اپنی محبوبیت و مقبولیت کو چھوڑ کر صحراؤں، دریاؤں، پہاڑوں، جنگلوں، وادیوں کو قطع کیا، درانیوں کی بے وفائی اور سرد مہری، بغاوت و سرکشی کا مقابلہ کیا، بالاکوٹ کے اس معرکہ میں سید صاحبؒ مولانا محمد اسماعیل صاحب اور دوسرے ان مبارک انسانوں نے خدا کی راہ میں جام شہادت نوش کیا، جن کے دلوں میں عشق الٰہی کا شعلۂ بیتاب، اور شہادت فی سبیل اللہ کا ایسا جذبۂ صادق پیدا ہو گیا تھا کہ ان کو اپنی جان وبال جان، اور اپنا سر وبال دوش معلوم ہونے لگا تھا، اور ان کے بن مو سے یہ صدا آتی تھی ؎

جان کی قیمت دیار عشق میں ہے کوئے دوست

اس نوید جاں فزا سے سر وبال دوش ہے